ابن قرقول اور ان کی کتاب
مطالع الانوار
(تعارف)

ڈاکٹر محمد ادریس زبیر

ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھنے کے دوران ایک کتاب "مطالع الانوار(۱)" سے متعارف ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جس کے مولف اندلس کے ایک عالم ابواسحق ابراہیم بن یوسف ہیں اور جو ابن قرقول کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ تعارف کا سبب یہ بنا کہ جس مخطوطے پر میں اپنا تحقیقی کام کر رہا تھا۔ اس کے مولف نے مطالع الانوار کو اپنی کتاب میں خاصی اہمیت دی تھی اور اپنے موقف کی تائید میں ابن قرقول سے استدلال کیا۔

جستجو مزید بڑھی تو معلوم ہوا کہ کتاب ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی بلکہ دنیا کی مختلف لائبریریوں میں اس کے قلمی نسخے کسی شائق کے منتظر ہیں۔(۲) آئرلینڈ کی لائبریری چیسٹربیٹی میں اس کے نسخے کی موجودگی کا علم ہوا تو اس کی مائیکرو فلم منگوائی مگر وہ کتاب کی دوسری جلد کی ناقص صورت تھی۔ مجھے مکمل فائدہ تو نہ ہوسکا تاہم اس ناقص نسخہ نے کتاب کے بارے میں مختلف زاویوں پر سوچنے کی تحریک پیدا کی۔

اسی کتاب "مطالع الانوار" کا ایک اور مکمل نسخہ تیونس کی قروئین لائبریری میں بھی تھا۔ اتفاق سے میرے نگران Pro.John Mattock(۳) کو قروئین یونیورسٹی کے شعبہ عربی کی طرف سے ایک سیمینار میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے مجھے تسلی دی کہ واپسی پر کوشش کرونگا کہ اس کی مائیکرو فلم یا فوٹو کاپی لیتا آؤں، مگر یہ کام بھی مخطوطے کی خستہ حالت کے پیش نظر نہ ہوسکا۔

مارچ ۱۹۸۸ء میں جب مجھے اپنے علمی سفر کی خاطر ترکی، شام اور مصر کی لائبریریوں میں بیٹھ کر استفادہ کا موقع ملا تو استنبول اور قاہرہ کی لائبریریوں میں جہاں اس کتاب کے کچھ نسخے دیکھے وہاں "مطالع الانوار" کی مختصرات اور تہذیبات (۴) سے بھی معلومات حاصل ہوئیں، مجھے خوشی ہے کہ استنبول سے "مطالع الانوار" کے دو نسخے حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا۔

"مطالع الانوار" سے تھوڑی بہت واقفیت پہلے بھی ہو چکی تھی۔ مگر مکمل نسخہ ہاتھ آنے کے بعد جو سوال ذہن میں ابھرا اور شک کی صورت میں پختہ تر ہوتا چلا گیا وہ یہ تھا کہ کیا یہ کتاب مؤلف کی اپنی تخلیق ہے یا قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ کی کتاب "مشارق الانوار" کی نقل ہے؟ قاضی عیاض رحمہ اللہ علیہ م ۵۴۴ھ جو ابن قرقول م ۵۶۹ھ کے ایک بزرگ معاصر تھے' انہوں نے ایک کتاب بعنوان "مشارق الانوار علی صحاح الاثار" لکھی جو صحیحین اور موطا کے غیرمانوس الفاظ کے معانی اور اسماء الرجال کی اعرابی صورت کی وضاحت کے علاوہ ان تین کتب کے مختلف نسخوں کی روایت میں فرق کو بھی واضح کرتی ہے۔ ابن قرقول نے بالکل اسی نہج پر مطالع الانوار لکھی جو بقول الکتانی مشارق الانوار کا اختصار ہے مگر تھوڑے سے اضافے کے ساتھ۔(۶) یا بقول صاحب الجذوۃ "مطالع الانوار قاضی کی مشارق الانوار کی مکمل نقل ہے' جو ابن قرقول نے قاضی سے مشارق کا مسودہ حاصل کرکے کی۔(۷) یا بقول حاجی خلیفہ /ابن قرقول نے کتاب کا اختصار لکھ کر اس پر مزید علمی استدراکات لکھے اور قاضی عیاض کے اوہام کا ذکر کرکے ان کی اصلاح بھی کی۔(۸)

بعد میں مطالع الانوار کو قاضی عیاض کی مشارق الانوار (مطبوعہ قاہرہ و فیض) سے تقابل کیا تو بظاہر یہ بات واضح ہوتی گئی کہ اس کتاب میں مشارق الانوار کے اکثر مقامات کو بعینہ نقل کیا گیا ہے۔ مگر حیرت اس پر ہوئی کہ مقدمۃ الکتاب میں اس بات کا ذکر تک نہیں کہ یہ کتاب مشارق الانوار کا اختصار ہے یا تہذیب۔ وہاں تو انتہائی صراحت کے ساتھ ابن قرقول نے کہا ہے کہ یہ کتاب میری اپنی کاوش ہے' ایسا کیوں؟

دیگر یہ کہ متاخرین میں علم حدیث کے نامور مؤلفین ابن الصلاح م۶۴۳ھ' النووی م ۶۷۶ھ' الذہبی م ۷۴۸ھ اور ابن حجر العسقلانی م۸۵۲ھ کی کتب میں سے خاص طور پر مقدمہ ابن الصلاح' المنہاج شرح مسلم' المشتبہ اور فتح الباری کو پڑھ کر دوسرا سوال ذہن میں یہ ابھرا کہ ان علماء نے یہ جانتے ہوئے کہ ان دونوں کتابوں میں گہری مماثلت ہے پھر کیوں دونوں کتابوں کو الگ الگ حیثیت سے اپنی کتب میں جگہ دی؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ابن قرقول کی کتاب کو قاضی عیاض کی کتاب مشارق الانوار کا چربہ نہ سمجھا؟

تیسرا سوال کہ مورخین میں سے ابن قرقول کے اپنے شاگرد ابوعبداللہ بن جابر الضریر(۹) اور دوسرے مورخین نے مثلاً" ابن الابار(۱۰)' ابن خلکان(۱۱)' الذہبی(۱۲)' الصفدی(۱۳)'

الیافعی(۱۴) اور ابن العماد(۱۵) وغیرھم نے بھی کتاب کا مستقل ذکر کرکے اس کی اہمیت کو کیوں اجاگر کیا؟

انہی سوالوں کو بنیاد بنا کر میں کوشش کرونگا کہ اس مقالہ میں مذکورہ بالا اشکالات کی وضاحت کرسکوں۔ مگر مناسب یہ ہوگا کہ پہلے ابن قرقول کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

نام' ابتدائی تعلیم اور اساتذہ :

ابن قرقول جن کا نام ابواسحٰق ابراھیم بن یوسف الوھرانی ہے۔ ۵۰۵ھ کو المریتہ(۱۶) میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور مزید علم اپنے نانا محترم ابوالقاسم بن الورد اور ابوالحسن بن نافع سے حاصل کیا۔ علم حدیث کی خاطر دور دراز کے سفر بھی کئے اور متعدد علماء سے شرف ملاقات کے علاوہ سماع حدیث کا موقع بھی پایا۔ ایک اچھے ادیب' صاحب مطالعہ اور ماہرین علم حدیث میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

بعض علماء سے سلسلہ کتابت بھی رکھتے تھے۔ مسافت اور دوری کی وجہ سے بعض نے ابن قرقول کو اجازت حدیث بھی لکھ کر بھیجی' ان میں ابن عتاب القرطبی' ابوبحرالاسدی' ابوطاہر السلفی اور المازری صاحب المعلم کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح طارق بن یعیش' ابن ھذیل' ابن الدباغ قاضی عیاض اور ابن النعمتہ سے روایت بھی کی۔ ان میں کچھ ان کے معاصر دوست بھی تھے اور طلب علم کے ساتھی بھی۔

جزیرہ شقر میں معروف شاعر ابواسحاق الخفاجی سے ملاقات کی اور ان سے ان کا شعری دیوان سنا اور حاصل بھی کیا۔ اسی طرح مغرب کے ایک شہر مکناسہ میں ابوالقاسم ابن الابرش شاعر سے بھی ملے اور ان کا شعری دیوان سن کر اجازۃ حاصل کیا۔(۱۷)

تلامذہ :

کئی علماء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور حدیث روایت کی جن میں بقول ابن حموتہ السرخسی ابومحمد عبداللہ بن سلیمان المعروف بابن حوط اللہ الانصاری کا شمار بھی ہوتا ہے۔(۱۸)

مشہور نحوی عالم اور ادیب علامہ عبدالرحمان الاندلسی السھیلی آپ کو عزیز ترین دوست رکھتے تھے۔ مالقہ کو چھوڑ کر جب ابن قرقول سلا گئے تو السھیلی نے ان کے فراق پر ایک بھرپور

نظم لکھی جس کا ذکر الذہبی نے سیراعلام النبلاء میں کیا ہے۔(۱۹) غالباً جب المریہ پر رومیوں نے ۵۴۲ھ میں قبضہ کرلیا تو ابن قرقول مالقہ چلے آئے پھر مالقہ سے ۵۶۴ھ میں سبتہ منتقل ہوئے۔ سلا شہر میں بھی قیام کیا یہ بھی راس نہ آیا تو آخر فاس کی طرف ہجرت کی اور یہیں ۵۶۹ھ میں نماز جمعہ کے بعد دوران نفل وفات پائی۔(۲۰)

کم و بیش تمام سوانح نگاروں نے ان کی علمی عظمت و قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ انہیں ایک بہترین مصنف کے علاوہ عمدہ کاتب بھی گردانا ہے۔ "مطالع الانوار" نامی کتاب ان کی تالیف ہے۔

تعارف کتاب:

کتاب "مطالع الانوار" دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس کے تقریباً ۵۰۰ اوراق ہیں۔ کتاب کا بنیادی موضوع صحیح بخاری مسلم اور موطا امام مالک میں مستعمل غیرمانوس الفاظ کی تشریح کرنا اور راویوں کے ناموں کی اعرابی شکل کو ضبط کرکے مختلف ناموں میں فرق کو واضح کرنا ہے۔ کتاب پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں حدیث کے مشہور و متداول کتابی نسخوں کی مختلف روایات کی ایک مربوط صورت فراہم کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں کتاب علم حدیث کی اہم اقسام غریب الحدیث، العلل، متشابہ الاسماء اور موتلف و مختلف پر بحث کرتی ہے۔ مولف نے کتاب کی ترتیب مغرب میں رائج حروف تہجی سے دی ہے جو مشرق سے قدرے مختلف ہے۔

مقدمہ میں ابن قرقول کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ راقم نے یہ کتاب نہ صرف الفاظ کی شرح، معانی کی تفسیر اور اعراب کی مختلف حالتوں کی وضاحت کیلئے لکھی بلکہ کتب حدیث کی روایات کی مختلف سورتوں کی حفاظت اور شیوخ سے ان کی مختلف سماعات کی صورتوں کو بھی قلبند کیا ہے۔ اسی طرح وہ حروف جو اعراب کی شکل میں واضح ہیں یا بغیر نقاط کے ہیں۔ ان کی وضاحت بھی کی ہے مزید یہ کہ اس ضمن میں وارد شدہ مختلف روایات سے بھی ان کا حل نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب پڑھنے کے بعد قاری کو اس سلسلے میں کسی بھی صاحب فن کے پاس سفر کرکے جانے کی ضرورت نہیں الا یہ کہ عدم وضاحت کی صورت میں اسے مزید جستجو کرنا پڑے۔ . . الخ (۲۱)

کتاب سے ماخوذ اس اقتباس کے بعد مناسب ہوگا کہ مذکورہ سوالوں کا جواب ڈھونڈا

جائے اس قسم کی کتابیں متعارف کرانے کی ضرورت کو بھی اجاگر کیا جائے۔ اس ضمن میں ہمیں اس پس منظر پر ایک تفصیلی مگر محدود روشنی ڈالنی ہوگی جس کی بنیاد پر یہ کتاب لکھی گئی اور وہ ہے "اندلس میں کتب حدیث کی آمد اور ان کی مختلف روایات کا جائزہ" اور پھر آخر میں ان شبہات کا حل نکالنے کی ایک کوشش کی جائیگی کہ ابن قرقول کی کتاب "مطالع الانوار" قاضی عیاض کی مشارق الانوار کا چربہ ہے یا مولف کی اپنی کاوش؟

اندلس میں کتب حدیث کو متعارف کرانے میں جن لوگوں کو اولیت کا شرف حاصل ہوا ان کی روایات کو علو اسناد کے علاوہ غریب الحدیث اور اختلاف نسخ کی پہچان میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ موطا تو امام مالک کی زندگی میں ہی غازی بن قیس القرطبی م ۱۹۹ھ کے ذریعے پہنچ چکی تھی جو انہوں نے براہ راست امام مالک سے مدینہ طیبہ جاکر سنی تھی۔(۲۲) موطا کی کیا قدر افزائی ہوئی اور اندلسی علماء میں سے کتنوں نے اسے امام مالک سے سنا یا ان کے شاگردوں سے روایت کی۔ اس کے متعلق قاضی عیاض لکھتے ہیں۔

"جہاں تک میرا علم ہے موطا کے تقریباً ۲۰ نسخے ہم تک مختلف روایتوں سے پہنچے ہیں بلکہ ہمارے شیوخ کا کہنا ہے کہ ان کی تعداد ۳۰ ہے۔"(۲۳)

ان میں مشہور رواۃ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر اور یحییٰ بن یحییٰ اللیثی ہیں۔ اول نے امام مالک سے موطا سترہ مرتبہ سنی اور ثانی نے ایک مرتبہ۔(۲۴) ان کے علاوہ اور بھی بکثرت روایات تھیں جو اختلاف نسخ کی بنا پر مشہور و متداول تھیں۔(۲۵)

محدث اندلس بقی بن مخلد القرطبی (۲۰۱-۲۷۶ھ) نے بھی مشرق کے محدثین کی بے شمار کتب احادیث کو اندلس میں روشناس کرایا۔ اپنی زندگی کے ۳۴ سال طلب علم کیلئے رحلہ میں صرف کئے۔ احادیث و آثار کی روشنی میں اپنی مجتہدانہ و فقیہانہ روش کے وہ آثار چھوڑے کہ کہا کرتے تھے کہ میں نے اندلس میں مسلمانوں کیلئے ایک ایسی چیز گاڑ دی ہے جسے صرف دجال ہی اکھیڑ سکتا ہے۔ حدیث کی جو کتب انہوں نے اندلس میں متعارف کرائیں ان میں مصنف ابن ابی شیبہ اور کتاب الام وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جبکہ امام احمد بن حنبل، حرملہ بن یحییٰ التجیبی، زھیر بن حرب، سحنون بن سعید الفقیہ اور محمد بن بشار وغیرھم کا بھی بیش بہا ذخیرہ تھا جو انہوں نے ان شیوخ سے براہ راست اخذ کیا تھا۔(۲۶)

اسی طرح کتاب صحیح البخاری اندلس میں امام بخاری کے دو شاگردوں ابراہیم بن معقل النسفی م۲۹۵ھ اور امام ابوعبداللہ الفربری م ۳۲۰ کے ذریعے پہنچی۔ قاضی عیاض کہتے ہیں۔

"اندلس اور مغرب میں صحیح بخاری انہی دو حضرات کے ذریعے ہی پہنچی ہے کیونکہ ان دونوں نے امام بخاری سے اوروں کی نسبت زیادہ سماع کیا ہے۔"(۲۷)

ابوذرالھروی م ۴۳۴ھ کا نسخہ صحیح بخاری مشرق و مغرب دونوں میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ الھروی نے اس نسخے کو لکھا اور پھر تین اساتذہ ابواسحاق المستملی م ۳۷۶ھ' الامام السرخسی م ۳۸۱ھ اور ابوالہیثم الکشمیہنی م۳۸۹ھ پر الگ الگ پڑھا۔ ان تینوں سے تصحیح کے بعد اس کو آگے منتقل کر دیا۔ الھروی کے یہ تینوں اساتذہ ابوعبداللہ الفربری کے براہ راست شاگرد ہیں اور الفربری کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہی کی روایت ان کے ضبط و اتقان کی بدولت دوسروں کے مقابلے میں اس لئے بھی مشہور ہوئی کہ انہوں نے امام بخاری سے ان کے آخری ایام میں صحیح بخاری کا سماع بھی کیا اور امام بخاری کے شاگردوں ابو طلحہ البزدوی م۳۲۹ھ کے بعد یہ آخر تک زندہ بھی رہے۔

الھروی کے اس نسخے کے متعلق ابن حجر فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اتقن الروایات عندنا روایۃ ابی ذر لضبط لھا و تمیزہ لاختلاف سیاقھا۔"(۲۸)

ابوذر کی روایت ہمارے یہاں ضبط و اتقان اور روایات کے سیاق میں پیداشدہ اختلافات کی تمیز کرنے میں دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر ہے۔

اندلس میں سب سے پہلے اس نسخے کو متعارف کرانے میں ابو الولید الباجی م ۴۹۴ھ میں جنہوں نے ابوذر الھروی سے اپنے ۱۳ سالہ مشرق کے دورانیہ رحلہ میں براہ راست ان سے سنا اور لیا۔ الباجی سے ان کے دو عظیم شاگردوں ابوعلی الحسین بن محمد الجیانی اور الصدفی (جن کے نام اور کنیت میں اتفاق اور صرف نسبت میں اختلاف ہے) نے سنا اور ان سے قاضی عیاض نے حاصل کیا۔ یہ نسخہ خزانہ ملکیہ میں ایک ضخیم جلد کی شکل میں موجود ہے' جس کا نمبر۵۰۵۳ ہے۔ اس پر قاضی الصدفی اور ان کے بعد امام سخاوی کی اپنی تحریر بسلسلہ سند موجود ہے۔ امام سخاوی نے لکھا ہے:

ھذہ النسخۃ جمیعھا بخط الامام ابی علی الحسین بن محمد الصدفی شیخ القاضی عیاض وھی أصل سماع القاضی علیہ کماتری فی الطبقۃ المبنیۃ فی الورقۃ المقابلۃ لھذہ۔(۲۹)

قاضی علیہ الرحمتہ کو بھی روایت بخاری کا شرف انہی دونوں طریقوں سے حاصل ہے۔ قاضی نے اسناد عالی کی پوری تفصیل لکھی ہے جن میں ابوذرالھروی' الأصیلی' ابوالحسن القابسی'

کریمہ المروزیتہ اور ابن السکن وغیرہ کی روایت کا ذکر ہے۔ قاضی نے اپنے چند شیوخ کا ذکر بھی اس ضمن میں کیا ہے جن میں ابوعلی الصدفی، ابوعلی الغسانی، ابوالولید الباجی، ابومحمد بن عتاب، المہلب بن ابی صفرۃ، ابوعمر بن الحذاء اور الحافظ ابن عبدالبر کے نام شامل ہیں۔(۳۰)

اسی طرح صحیح مسلم بھی اندلس میں دیگر طرق کے علاوہ ابواسحاق ابراہیم بن سفیان المروزی اور ابومحمد احمد بن علی القلانسی کے ذریعے پہنچی۔ روایات کی تفصیل کے ساتھ قاضی عیاض نے اپنے چند شیوخ کا بطور خاص ذکر کیا ہے جن سے انہیں مسلم کی روایت کی اجازت حاصل ہے ان میں ابومحمد عبداللہ الخشنی، ابوبکر الاسدی ابوالعباس العذری اور ابوعبداللہ التمیمی قابل ذکر ہیں۔(۳۱)

صحیحین، موطاء اور دوسری کتابوں کے رواۃ اور مختلف علما کے شیوخ کے ناموں کا ذکر نمونہ از خروارے کے طور پر ضمناً" یہاں اس لئے کر دیا گیا ہے تاکہ یہ واضح رہے کہ علماء سے ان کتابوں کے الگ الگ سماع کئے گئے اور ہر سماع ایک الگ نسخہ کی شکل میں لکھا گیا اور مستقل روایت قرار پایا اور سماع کا یہ طریقہ کار اھل اندلس کے درمیان تسلسل سے آخر وقت تک جاری رہا۔ اس کی کچھ تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔

مشتبہ حروف میں تمیز کیلئے محدثین کو دشواریاں اٹھانا پڑتی تھیں۔ اس دشواری کے ازالہ کیلئے سماع (روایت) اور کتابت کو انہوں نے اہم جانا۔ عبداللہ بن ادریس الکوفی کہتے ہیں کہ جب امام شعبہ نے مجھے ابوالحوراء السعدی کی ایک حدیث روایت کی تو میں نے روایت لکھتے وقت ابوالحوراء کے نام کے نیچے اپنی یادداشت کیلئے "حورعین" لکھ دیا۔ ہوسکتا تھا کہ اس کے بغیر میں غلطی سے ابوالحوراء کو دوسرے راوی ابوالجوزاء سے ملا نہ دوں اس لئے کہ یہ دونوں نام متشابہ ہیں۔(۳۲)

اھل اندلس میں ایک اہم پہلو صحیحین اور موطا کے قدیم نسخوں کے حصول میں اسناد عالی اور مسابقت کا تھا جس میں صحیح ترین نسخہ کا حصول قابل فخر چیز تھی۔ مزید یہ کہ ان قدیم نسخوں کی کتابت کا اہتمام ایک ایسی عام مگر دقیق روش تھی کہ اندلسی علما کے حالات میں یہ وصف تقریباً" مشترک ملتا ہے کہ وہ ایک عمدہ کاتب، لکھاڑ، کتابت میں ضبط و اتقان کے مالک تھے۔ بڑے بڑے علماء کتابوں کو شیخ سے سماع کرکے خود اپنے ہاتھ سے لکھتے۔ اختلاف نسخ کو تحریر کرتے اور غلطیوں کی نشاندہی کرتے۔(۳۳) پھر ان نسخوں کے شروح و حواشی اور تعلیمات کا اضافہ ایک ایسا امر تھا جس نے ہمارے علمی ذخیرے کو متعدد روایات اور بے شمار منفرد

نسخوں سے مالا مال کر دیا جو ایک قابل فخر اور قیمتی سرمایہ ہے۔ ان میں بے شمار نسخے اب بھی تیونس، مغرب اور سپین کی لائبریریوں میں کسی قدردان کے منتظر ہیں۔

دوسرا پہلو ان کتب کو مختلف شیوخ سے پڑھ کر اجازت حاصل کرنا تھا چاہے ایک کتاب ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح اس اجازت والی روایت کو اپنی عزیز ترین متاع سمجھ کر محفوظ کرلیتے کیونکہ اس کے بغیر کتاب ناقص اور اس کی روایت بغیر اجازت کے نااہل تصور کی جاتی تھی۔

اپنی بات کی شہادت اور ثبوت کیلئے ہم الاشبیلی کی فہرست سے ایک مثال نقل کرتے ہیں جو شاید ہمیں اس نتیجے پر پہنچائے کہ چاہے بات وہی ہو جو پہلے نے کہی ہے لیکن اس میں ذرا سا فرق بھی نقل نہیں کہلایا جاسکتا بلکہ وہ فرق ایک بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جسے محدثین نے سلسلہ اسناد کا ابقاء، روایات کا تنوع اور حاملین حدیث کا علمی معیار جانچنے کی ایک وقیع کوشش قرار دیا ہے۔

سنن ابوداؤد کی روایت اندلس میں مختلف طرق سے آئی۔ جو ذیل میں دیئے گئے چارٹ سے واضح کی جاتی ہے۔

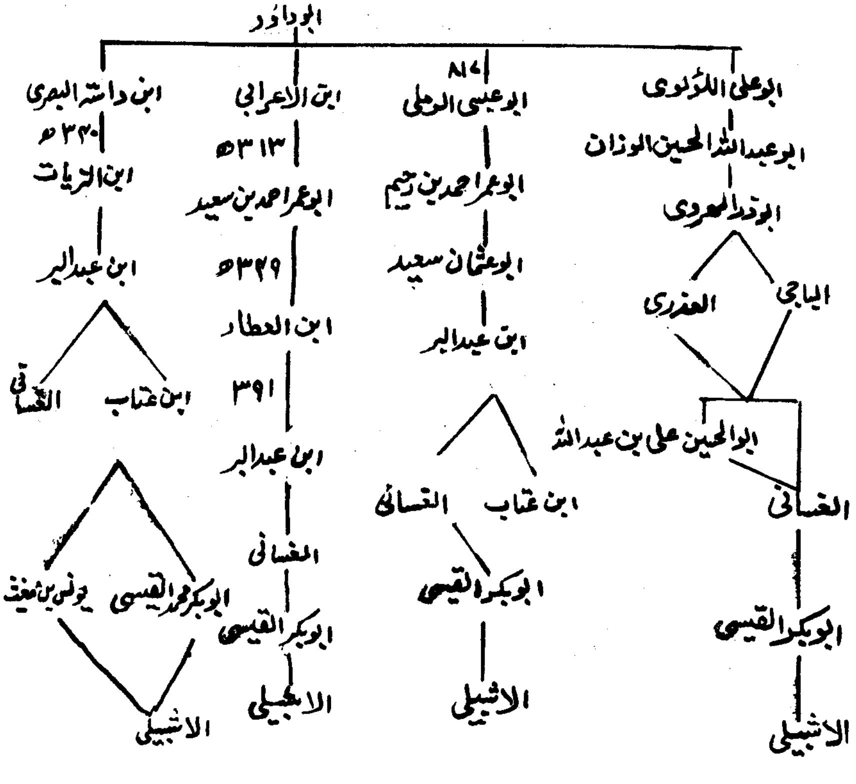

ابن الاعرابی کے نسخے میں کتاب الفتن' الملاحم' الحروف و الخاتم سرے سے نہیں تھیں اور کتاب اللباس بھی آدھی غائب تھی۔ اسی طرح کتاب الوضوء' الصلوۃ اور النکاح کے بھی بہت سے اوراق غائب تھے۔ اس نقص کو انہوں نے دوسرے شیوخ سے روایات لیکر مکمل کرنے کی کوشش کی جس میں زیادہ تر ابواسامہ محمد بن عبدالملک الرؤاس عن ابی داؤد کی تھیں۔ الاشبیلی کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے نسخے کی تصحیح احمد بن سعید بن حزم کی کتاب سے کی۔

احمد بن سعید بن حزم کا نسخہ الاشبیلی کے ہاتھ کیسے لگا اور اس کی کیا اہمیت تھی؟

ابوعلی الغسانی کہتے ہیں کہ سنن ابی داؤد مجھے میرے شیخ ابوالعاصی حکم بن محمد الجذامی نے ابواسحاق ابراہیم بن غالب التمار عن ابی سعید بن الاعرابی عن ابی داؤد روایت کی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں ابن الاعرابی کی وساطت سے سنن کی روایات میں محفوظ ترین روایت (اضبط) ابوعمر احمد بن سعید بن حزم کی ہے ان کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس نے سنن کو صحیح معنوں میں ضبط کیا ہو۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے میں نے اپنے لکھے ہوئے نسخے کو مقابلہ کرکے دیکھا بھی ہے۔

ابن الاعرابی کا یہ نسخہ پھر الاشبیلی کے ہاتھ ابوالحسن یونس بن مغیث کے ذریعے مناولہ آیا جو انہوں نے الغسانی سے لیا تھا۔ الاشبیلی کہتے ہیں کہ ابوالحسن نے اپنی اصل سنن ابی داؤد مناولتہ مجھے روایت کی اور یہ کتاب ابن الاعرابی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔

ابن الاعرابی کی ان زیادات کی ایک اور شہادت الغسانی کے معاصر اور دوست ابن عتاب کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن الاعرابی کی ان زیادات کی روایت مجھے میرے شیوخ میں سے ابوعثمان' ابوعبداللہ محمد بن احمد عن ابن الاعرابی نے کی ہے۔

الغسانی کہتے ہیں کہ تمام روایات میں اکمل روایت ابن داستہ کی ہے اور ابوعیسیٰ الرملی کی روایت صحت میں اس سے ملتی جلتی ہے۔ میں نے اپنے نسخے میں تینوں روایات کی تقیید کی ہے۔(۳۴)

اوپر دیئے گئے چارٹ اور ابن الاعرابی کے نسخے پر علما کا تبصرہ اس مفروضے کو رد کرنے کیلئے کافی ہے کہ مطالع الانوار مشارق کا چربہ ہے بلکہ یہ کتابت اور روایت کے دونوں طریقوں کا ایک عمل مسلسل ہے تاکہ ایک کے نقص کی تکمیل دوسرے سے ہوتی رہے۔

الاشبیلی سے ابن عبدالبر تک تقریباً" ہر طبقے میں ایک مشترک چیز ہے کہ اس کے پاس اسناد عالی ہو۔ سنن کی تمام روایات کی سند ہو۔ اس کے تمام نسخے اس کی ملکیت میں ہوں اور ان کے فروق کا علم ہو۔(۳۵)

ابن الاعرابی کے نسخے کا نقص اور اس کی تصحیح اور پھر تمام نسخوں کی تصحیح کا ایک سفر جو آخرکار الغسانی کی کدوکاوش سے اختتام تک پہنچا اور فیصلہ کن ٹھہرا' ہماری اس بات کی موید ہے جو ہم نے چارٹ سے پہلے کہی ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ مطالع الانوار کتاب مشارق الانوار سے ماخوذ ہے لیکن ذکر کی گئی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر کتاب مطالع کو اگر پرکھا جائے تو اس میں علم کے دقیق خزانے مدفون ہیں۔ مزید یہ کہ غریب الحدیث اور اسماء الرجال کا علم نقلی ہے۔ اس میں اضافہ علمی تو ہوسکتا ہے مگر نقل میں نہیں۔ اور یہی رجحان اب تک باقی ہے۔(۳۶) یہی وجہ ہے کہ امام شمس الدین الذہبی نے اس کتاب کے بارے میں بجا طور پر کہا ہے کہ

"کتاب غزیرۃ الفوائد۔ مطالع بیش بہا فوائد کا خزینہ ہے۔"(۳۷)

معاجم فہرستہ اور مشیخات کی کتابیں ان کے مولفین کی ایک اعزازی پیش کش ہیں کہ فلاں کتاب میں ہمیں فلاں فلاں طرق سے اسناد عالی حاصل ہے اور فلاں فلاں ہمارے شیخ ہیں۔ یعنی ان کے پاس کتاب کے مولف تک کتاب کی سند عالی تھی جو ہمیں عطا ہوئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک آپ کی یہ حدیث شیخ کے پاس سند عالی کے ساتھ تھی جو ہمیں عطا ہوئی۔ فہرستہ اور مشیخات کے مولفین نے اس ضمن میں اپنی اپنی علمی کاوشوں کو بھی جگہ دی اور بعض پیچیدگیوں کا حل بھی پیش کیا۔ مختلف نسخوں کی پہچان کی اور کرائی اور بعد والوں کے لئے استدراکات اور مختصرات لکھنے کی راہ ہموار کی جن میں فائت کا ذکر' اوہام کی تصحیح اور تحریف و تصحیف وغیرہ کا ذکر ہوتا۔

ابن الصلاح' النووی اور ابن حجر وغیرہ نے اگر اپنی کتب میں مطالع الانوار کو جگہ دی ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے یہ توفیق بھی ہوئی کہ المنہاج شرح مسلم اور فتح الباری وغیرہ میں مطالع الانوار سے لئے گئے چند اقتباسات کو الگ الگ لکھ کر مشارق الانوار کے بیان کردہ مقام پر ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مل سکے۔ اسی طرح اپنی کتب میں مشارق الانوار کے بیان کئے گئے اقتباسات کو جب مطالع الانوار میں دیکھا

تو مل گئے۔

مثال کے طور پر النووی نے اپنی شرح المنہاج میں لفظ "الکرائم" ابن قرقول کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الکرائم جمع کریمہ' قال صاحب المطالع: ھی جامعۃ الکمال' الممکن فی حقھا من غزارۃ لبن و جمال و صورۃ أو کثرۃ لحم أوصوف۔(۳۸)

یعنی ابن قرقول کہتے ہیں کہ کریمہ کا لفظ بہت سے معنوں پر محیط ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد گاڑھے دودھ والی خوبصورت (بکری گائے وغیرہ) ہو یا زیادہ گوشت اور اون والی ہو۔

یہی بات قاضی کی مشارق میں دیکھنا چاہی تو وہ رقمطراز ہیں۔

وقولہ: و کرائم أموالھم: نفائسھا' و قیل مایختصہ صاحبہ لنفسہ منھا ویؤثرہ۔(۳۹)

یعنی کریمہ کا مطلب نفیس ترین مال' یا وہ مال جس کو اس کا مالک اپنے لئے پسند کرے اور دوسروں کے مقابلے میں اسے ترجیح دے۔

لیکن النووی نے دونوں میں سے ابن قرقول کی بات کو زیادہ بہتر اور مفصل پاتے ہوئے نقل کر دیا۔

اسی طرح مطالع میں ہے جو اپنے لئے اسناد عالی کی ایک مثال ہوسکتی ہے۔

عفیر حمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال القاضی رحمۃ اللہ: اما غفیرمثلہ الا انہ بعین معجمہ ۔ قلت لاادری ھذا ولارویتہ۔(۴۰)

یعنی عفیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کا نام ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں۔ غفیر بھی اسی وزن پر ہے۔ فرق یہ ہے کہ غفیر غین سے ہے اور عفیر عین سے۔ میں کہتا ہوں نہ تو مجھے اس کا علم ہے اور نہ مجھے میرے شیوخ میں سے کسی نے روایت کی ہے۔ (یعنی غفیر عفیر کے وزن پر ہے یا نہیں)

اسی طرح ابن حجر نے لفظ "القطیع" پر لکھتے ہوئے کہا ہے۔

القطیع ھو الشئی المقتطع من غنم کان أو غیرھا' وقد صرح بذ لک ابن قرقول وغیرہ۔(۴۱)

یعنی قطیع اس شے کو کہتے ہیں جو کسی سے علیحدہ ہو جائے چاہے وہ بکریوں میں سے ہو

یا کسی اور سے۔

اس بات کو قاضی نے دوسرے معنوں میں لکھا ہے۔

القطیع ھو طائفۃ من النعم والغنم و المواشی۔(۴۲)

یعنی اونٹوں' بکریوں یا جانوروں کا ایک گروپ اگر علیحدہ ہو جائے تو اسے قطیع کہتے ہیں۔

یہاں بھی ابن قرقول منفرد ہیں۔ جنھوں نے قاضی سے مختلف معنی قطیع کے لئے اور انہیں اپنی کتاب میں لکھا۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ ہوا کہ ابن الصلاح' النووی' ابن حجر وغیرہ اپنی اپنی شروحات اور کتب میں اگر مطالع کو اہمیت دیتے ہیں تو صرف ان چیزوں میں جہاں ابن قرقول منفرد ہیں یا جہاں ان کی اپنے شیوخ سے وہ روایت تھی جو قاضی کی روایت سے مختلف تھی اس لئے متاخرین میں سے ہمیں حاجی خلیفہ کی یہ رائے صائب لگتی ہے:

یہ کتاب قاضی عیاض کی مشارق الانوار کا اختصار ہے جس پر ابن قرقول نے استدراکات بھی کئے ہیں اور قاضی کے بعض اوھام کی اصلاح بھی۔(۴۳)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

یہ مشارق کا اختصار ہے اور ابن قرقول نے اس پر اضافہ بھی کیا ہے۔(۴۴)

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مطالع الانوار کے مصنف نے قاضی عیاض کی کتاب "مشارق الانوار" کو سامنے رکھا اور اس میں سے جو معلومات متفق علیہ تھیں وہ اختصار کے ساتھ لکھ کر مزید اس پر اضافہ بایں طور کیا ہے کہ روایات نسخ کی مختلف علمی وجوہ کو اور مفردات کے معانی کو اپنی روایت سے بیان کر دیا ہے۔ ورنہ کتاب حقیقتاً ترتیب موضوع کے علاوہ الفاظ و جمل میں کافی حد تک مشارق سے مماثلت رکھتی ہے۔

اس قسم کی کتب کے تعارف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حروف کی تشکیل اور تنقیط کا کوئی مربوط فن علما اور کتاب کے یہاں معروف نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو خال خال۔ نتیجتاً" کسی بھی کتاب کی روایت اور کتابت میں کوتاہی کے امکانات پیدا ہونا فطری تھے۔ اس لئے طالب علم جب عربی کلمات یا اسماء کی ادائیگی کرتے یا اسے لکھتے تو غلطی ہوتی اور لفظ تشکیک و تنقیط کے تھوڑے سے فرق پر تحریف وتصحیف کی نذر ہو جاتا جس کی مثال تشکیل

کے باب میں امام مالک کا روایت میں عمر بن عثمان کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے جبکہ اس کی تلافی ان کے ہم سبق ساتھیوں کے ذریعے یوں ہو جاتی ہے کہ وہ عمر بن عثمان کو فتح کے ساتھ یعنی عمرو بن عثمان پڑھتے اور لکھتے ہیں۔(۴۵) تنقیط کے باب میں راوی بسر بن محجن کے نام کی صحیح ادائیگی میں سفیان بن عیینہ (۱۰۷-۱۹۸) اور امام مالک (۹۳-۱۷۹) کے درمیان اختلاف ہوا تو امام مالک کی رائے میں بسرؔ سین کے ساتھ ہے جبکہ سفیان کا کہنا ہے کہ یہ نام بشرؔ شین کے ساتھ صحیح ہے۔(۴۶)

اس موقعہ پر صاحب علم اور اہل فن لوگوں نے غریب الفاظ اور نامانوس ناموں کو مستقل کتابوں میں جمع کیا ان کی تشکیل و تنقیط کی تعیین کے ساتھ ساتھ ان کے معانی کی وضاحت کی اور ناقلین میں سے جس جس سے غلطی ہوئی اس کی نشاندہی کی اور یوں مستقبل میں رونما ہونیوالی امکانی غلطیوں کا سدباب کر دیا۔ یہی حال رجال کے ساتھ ہوا۔ ناموں کی صحیح ادائیگی اور ملتے جلتے ناموں میں فرق کو واضح کیا اور غلطیوں سے آگاہی کیلئے ان موضوعات پر بے شمار کتابیں لکھیں۔(۴۷)

ان کتابوں کو اگلی نسل تک بحفاظت منتقل کرنے کے دو معروف طریقے تھے۔ ایک طریقہ روایت(۴۸) کا تھا اور دوسرا کتابت کا۔ یہ دونوں طریقے دراصل شیخ کی طرف سے اجازت نامہ یا سرٹیفکیٹ تصور کئے جاتے تھے۔ جس کا مطلب اجازت حاصل کرنے والے کی اہلیت ثابت کرنا ہوتی تھی۔

یہی کتابیں طالبان علم میں عموماً کتابت و روایت کی دونوں راہوں سے اکٹھی منتقل ہوتی چلی آئیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ روایت (سماع و قراءۃ وغیرہ) کی کوتاہیوں کی تلافی کتابت سے اور کتابت کی کوتاہیوں کی تلافی روایت سے ہوتی چلی جاتی۔ صرف ایک طریقہ پر یعنی روایت یا کتابت پر ان علما نے اکتفا نہیں کیا بلکہ دونوں طریقوں کو اہم جانتے ہوئے وہ سمجھتے تھے کہ ایک دوسرے کی کوتاہی کی تلافی جو ہو رہی ہے۔ ایک طریقہ اپنانے سے یہ فائدہ رہے گا۔

مشارق کی تجرید ابن قرقول کے علاوہ محمد بن سعید المعروف بالطراز (م ۶۴۵ھ) نے بھی کی تھی۔ اس کتاب کی مستخرجات اور تہذیبات بھی لکھی گئیں۔ ابو محمد عبدالعزیز انصاری نے ایک مستخرج لکھی جس میں مشارق الانوار اور مطالع الانوار دونوں کتابوں سے صرف بخاری اور

مسلم کی مشکلات نکال کر یکجا کر دیں جو "المستخرج من مطالع الانوار من کتاب مشارق الانوار" کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جسے بعد میں عمر بن خلیل بن عمر التنوخی الطائی نے مجلون میں ۲۳ محرم ۷۵۸ھ کو اپنے لئے لکھا جو اب مکتبہ کو پریلی میں (رقم ۳۳۴) محفوظ ہے۔ کتاب کے کل ۲۵۸ فولیوز ہیں۔ مقابلہ شدہ ہے اور عمدہ کاغذ پر صاف خط سے لکھی ہوئی ہے۔

ایک اور مختصر کتاب بنام "تہذیب المطالع لترغیب المطالع" مولفہ محمود بن احمد المعروف بابن خطیب الدھشہ کی ہے۔ اس کتاب کا موضوع وہی ہے جو اصل کا ہے۔ پانچ ضخیم جلدوں میں یہ کتاب دارالکتب المصریہ میں (۵۳۲ حدیث) محفوظ ہے۔

آخر میں یہ بات اعتراف کے طور پر کہنا مناسب سمجھوں گا کہ اختلاف نسخ کی پہچان اور ان کی حفاظت جو بذریعہ روایت کی گئی اس میں علمائے اندلس کا کردار مشرق کے علما کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ احادیث اور شروح احادیث کی کوئی بڑی کتاب ان سے استفادے کے بغیر نہیں لکھی گئی۔ قاضی عیاض یا الاشبیلی کے جن شیوخ کا ذکر اوپر کیا گیا ہے مختلف نسخوں کی روایات انہی سے منقول ہیں اور یہ سب اندلسی ہیں یہ روایات کتب احادیث اور علم غریب الحدیث موتلف و مختلف، متشابہ الاسماء اور استنباط مسائل کی جان ہیں۔

حوالہ جات

۱ یہ وہ کتاب ہے جسے النووی نے اپنی شرح مسلم میں اور ابن حجر نے اپنی شرح فتح الباری میں "قال صاحب المطالع" یا "وفی المطالع" سے بار بار متعارف کرایا ہے۔ بروکلمان نے اس کتاب کا نام "شرح مشکلات الصحیحین المستخرج من مشارق الانوار" لکھا ہے۔ دیکھئے ۶۳۷۰ SUP جو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ کتاب صحیحین کے علاوہ موطا پر بھی بحث کرتی ہے اور صحیح نام جو کتاب کے ٹائٹل صفحہ پر بھی لکھا ہے وہ "مطالع الانوار علی صحیح الاثار" ہے۔

۲ - مکتبہ احمد الثالث میں اس کا کیٹلاگ نمبر ۱/۲۷۳۱، ۲/۲۷۳۱ ب، چسٹر بیٹی ڈبلن میں ۳۵۷۶، خزانہ القرویین میں ۲۲۰، ۱۰۱۹ اور کوپریلی میں ۴۵۰، ۴۵۱ ہے۔

۳ - چیئرمین شعبہ عربی و علوم اسلامیہ - گلاسگو یونیورسٹی، سکاٹ لینڈ۔

۴ - مثال کے طور پر "تہذیب المطالع لترغیب المطالع" لابن خطیب الدهشته مخطوط دارالکتب المصریہ، حدیث ۵۳۲۰۔

۵ - مطبوع، دارالتراث القاہر = ابن فرحون اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ مشارق اگر سونے سے لکھی جائے اور جواہرات سے وزن کی جائے تو بھی اس کے حق میں یہ بات ناکافی ہوگی، "الدیباج المذهب" القاہرہ دارالتراث، ج ۲، ص ۹۴۔ مشارق الانوار کی ترتیب اور مواد کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ "المعجم الالفاظ الحدیث النبوی" کے مستشرق مولفین نے المعجم کی ترتیب و تدوین میں شاید اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

۶ - الکتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ، نورمحمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۹۹ھ ص ۱۲۹۔

۷ - فہرست مخطوطات خزانۃ القرویین، ج ۲ ص ۱۲۹۔ الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۰ھ، الشرق، دارالبیضاء، افریقیا۔

۸ - حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون ج۲، ص ۱۷۱۵۔

۹ - المقری، احمد بن محمد التلمسانی نفح الطیب، ای جے بریل، ۱۸۵۸، ص ۹۱۷۔

۱۰ - ابن الابار التکملۃ لکتاب الصلۃ، السید عزت العطار، القاهر ۱۹۵۵، ج ۱، ص ۱۵۲۔

۱۱ - ابن خلکان احمد بن محمد، و فیات الاعیان، تحقیق احسان عباس، بیروت ۱۹۷۷، ج ۱، ص ۶۲۔

۱۲ - الذہبی ابوعبداللہ محمد بن احمد، سیرا علام النبلاء، تحقیق شعیب الارناؤط بیروت ۱۹۸۶، ج ۲، ص ۵۲۰۔

۱۳ - الصفدی، خلیل بن ایبک، الوافی بالوفیات، سلسلۃ النشرات الاسلامیہ، ج ۶، ص ۱۷۱۔

۱۴ - الیافعی عبداللہ بن اسد، مرآۃ الجنان، حیدرآباد، ج ۴، ص ۱۷۱۔

۱۵ - ابن العماد عبدالحیٔ شذرات الذهب، مکتبہ القدسی، القاهر، ج ۴، ص ۲۳۱۔

۱۶ - محمد عنایت اللہ اندلس کا تاریخی جغرافیہ، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸، ص ۱۳۲-۱۳۴۔

۱۷ - ابن الابار التکملۃ، ج ۱، ص ۱۵۱۔

۱۸ - المقری نفح الطیب ص ۶۸۔

۱۹ - الذہبی اعلام ج ۲۰، ص ۵۲۱۔

۲۰ - ابن الابار التکملہ ص ۱۵۱ مطالع الانوار نسخہ رقم ۴۵۰ کوپریلی۔ استنبول۔

۲۱ - ابن قرقول مطالع الانوار ق / ۳ -

۲۲ - ابن القوطیہ تاریخ فتح الاندلس المکتبہ المحمودیۃ، القاہرہ، ص ۲۵۔

۲۳ - قاضی عیاض بن موسیٰ ترتیب المدارک، الرباط ۱۳۸۳ھ، ج ۲، ص ۸۹۔

۲۴ - قاضی عیاض الغنیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۲ھ، ص ۹۸۔

۲۵ - دیکھئے مزید تفصیل السیوطی جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر (م ۹۱۱) تنویر الحوالک، القاہر ۱۳۷۰ھ، ج ا، ص ۸، عبدالعزیز الدہلوی بستان المحدثین، کراچی ۱۹۸۴، ص ۶۹، ۷۰۔

۲۶ - ابن الفرضی عبداللہ بن محمد تاریخ علماء الاندلس، الدار المصریہ للتالیف، ۱۹۶۶، ج ۲، ص ۵، الذہبی سیر اعلام النبلاء، ج ۱۳، ص ۲۸۹۔ موصوف نے ایک مسند بھی لکھی جو ۱۰۰ اجزاء پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تھی جس میں ۱۳۰۰ سے کچھ زائد صحابہ کرام کے ناموں پر مرتب احادیث کا بیش بہا اور تاریخ صحابہ کا انمول ذخیرہ محفوظ تھا۔ افسوس کہ یہ کتاب زمانہ کی دستبرد سے نہ بچ سکی۔ مولف نے فقہ اور ابواب الاحکام کی ترتیب سے ہر صحابی کی روایات کو اس میں سمو دیا تھا۔ جو بیک وقت مصنف بھی تھی اور مسند بھی۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے ابن خیر الاشبیلی فہرستہ، قومش بسرقسطہ، ۱۸۹۳ م، ص ۱۴۰، الذہبی سیر اعلام ج ۱۳، ص ۲۹۱، احسان عباس، رسائل ابن حزم علی بن احمد بیروت ۱۹۸۱، ج ۲، ص ۱۷۸ و ۱۷۹۔

۲۷ - قاضی عیاض مشارق الانوار، دارالتراث القاہر، ج ا، ص ۹، الغنیہ الدار العربیۃ للکتاب، لیبیا، تونس ۱۳۹۸۔

۲۸ - ابن حجر احمد بن علی ھدی الساری، ص ۴۔

۲۹ - عبدالہادی تازی مجلۃ دعوۃ الحق، مارس ۱۹۷۳، ص ۱۵، صحیح الامام البخاری بخط الحافظ الصدفی۔

۳۰ - قاضی عیاض مشارق الانوار، ج ا، ص ۹، الغنیہ ص ۱۰۷۔

۳۱ - ایضاً۔

۳۲ - قاضی عیاض الالماع، تحقیق السید احمد الصقر، دارالتراث القاہر، ۱۳۹۸ھ، ص ۵۵۔

۳۳ - یہ یاد رہے کہ اندلس کا مزاج روایت کے علاوہ جملہ فنون سے بھی آگہی تھا۔ اس فن کو ترقی دیکر باقاعدہ اس کے اصول وضع کئے۔ قاضی عیاض کی کتاب "الالماع" اس سلسلے کی پہلی مطبوعہ کڑی قرار دی جاسکتی ہے۔ وگرنہ کتابت کی قیود و حدود سے متقدمین بھی بخوبی آگاہ تھے اور اس پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ دیکھئے الخطیب البغدادی کی کتاب "الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع"۔

۳۴ - الاشبیلی ابوبکر محمد بن خیر فہرستہ، ص ۱۰۲۔ ۱۰۶۔

۳۵ - مثلاً قاضی عیاض مشارق الانوار (۱۳) میں لکھتے ہیں کذا فی اصل شیخنا التمیمی بخط ابن العسال۔ اور ابن قرقول کہتے ہیں (مطالع ق/۱۰) کذا رأیتہ فی اصل القاضی التمیمی بخط ابن العسال۔ التمیمی قاضی کے استاد تھے اور ابن قرقول کے ہاتھ ان کا نسخہ آگیا۔

۳۶ - مثلاً علامہ طاہر پٹنی کی مولفات "المغنی فی ضبط اسماء الرجال" مطبوعہ بیروت دارالکتاب العربی ۱۴۰۲ھ اور تلخیص خواتم جامع الاصول" تحقیق حبیب الرحمان الاعظمی، طبع مالیگاوں (ناسک منہ) ابن الاثیر الجزری کی کتاب جامع الاصول کی آخری جلد سے ماخوذ ہیں مگر دونوں کتابوں کے مقدمے میں مولف نے اشارہ تک نہیں کیا کہ یہ کتب ابن الاثیر کی کتاب جامع الاصول سے ماخوذ ہیں یا ان کا اختصار۔

۳۷ - الذہبی سیر اعلام النبلاء، ج ۲۰، ص ۲۵۰۔

۳۸ - النووی یحییٰ بن شرف المنہاج شرح مسلم، دارالریان "القاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۷ھ، ج ا، ص ۱۹۷،

ابن قرقول، مطالع الانوار، ج ۱، ق/۲۹۵

۳۹ - قاضی عیاض، مشارق الانوار، ج ۱، ص ۳۳۹۔

۴۰ - ابن قرقول مطالع الانوار ق /۹۱۔

۴۱ - ابن حجر، فتح الباری، دارالریان، القاهره الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۹ھ، ج ۴، ص ۵۳۳۔

۴۲ - قاضی عیاض مشارق الانوار، ج ۲، ص ۱۸۳۔

۴۳ - حاجی خلیفہ، کشف الظنون ج ۲، ص ۱۷۱۵۔

۴۴ - ایضاً" - مثلاً" ابن قرقول الابواء کی وجہ تسمیہ بیان کرنے کے بعد یوں محاکمہ کرتے ہیں۔ **والصحیح انها سمیت لتبوء السیول بها** (ق/۳۹) یعنی صحیح بات یہ ہے ابواء کی وجہ تسمیہ وہاں پر بکثرت سیلابوں کے آنے سے ہے۔ اب یہ اضافہ ہمیں قاضی کی مشارق میں نہیں ملتا۔

۴۵ - السیوطی، تدریب الراوی، دارالفکر، ج ۱، ص ۲۳۹۔

۴۶ - السخاوی محمد بن عبدالرحمان (ت ۹۰۲) فتح المغیث، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ج ۳، ص ۲۵۱۔

۴۷ - الخطابی، محمد بن سلیمان غریب الحدیث، جامعۃ ام القری مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۲، ج ۱، ص ۴۷۔ مزید یہ کہ کتب رجال اور غریب الحدیث کے علاوہ تشابہ الاسماء، المؤتلف و المختلف اور تصحیف و تحریف وغیرہ موضوعات پر بے شمار کتابوں کا ذخیرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

۴۸ - روایت میں سماع، قرا علی الشیخ، اجازہ اور مناولہ کا طریقہ زیادہ معروف تھا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ابن الصلاح عثمان بن عبدالرحمان مقدمۃ فی علوم الحدیث، بمبئی ۱۳۵۷، ص ۴۲۔

۴۹ - ابن فرحون ابراهیم بن علی الدیباج، ج ۲، ص ۲۷۸۔